© rasailojaraid.com

آرا و افکار

محمد اورنگ زیب اعوان*

دینی حلقوں میں عدم برداشت......مضمرات ونتائج

دینی حلقوں میں عدم برداشت کی موجودہ کیفیت نئی نسل کے لیے انتہائی اضطراب کا باعث بن رہی ہے۔ بات بات پہ فتوے، تنقیدات، الزامات اور تہمتوں کی اس روش نے ذہنی ارتداد کی کیفیت کو جنم دیا ہے۔ ہمارے سنجیدہ اہل علم کو اس معاملہ میں باہم سوچ و بچار کے بعد ایسی مشترکہ پالیسی طے کرنی چاہیے جس کے باعث ایسے معاملات کی راہ روکی جا سکے۔ کوئی رائے دینے، کچھ کہنے اور لکھنے سے پہلے اس کے تمام مثبت و منفی پہلوؤں پر نظر رکھنی چاہیے۔ فوائد اور نقصانات اگر مدنظر ہوں تو امید ہے کہ اختلافات کی صورتیں کم ہی پیدا ہوں گی۔ محض شخصی اور ذاتی مقاصد و مفادات کے حصول کی خاطر کسی رائے کے اظہار میں احتیاط کا دامن ہاتھ سے نہیں چھوڑنا چاہیے۔ دوسروں کو جبراً قائل کرنے کے بجائے صبراً مائل کرنے کی کوشش کرنی چاہیے۔ ہمارے اکابر اپنے اصاغر کی اصلاح اس انداز میں کریں کہ وہ محسوس کریں کہ جیسے والد اپنے بیٹے کی اصلاح کرتا ہے ایسے ہی یہ بزرگ ہماری اصلاح فرما رہے ہیں۔

تنقید اور جارحانہ اندازِ اصلاح، اصلاح کی بجائے فساد کا سبب بنتا ہے۔ ہم محض جذبات کی رو میں بہہ کر ایسی باتیں لکھ دیتے ہیں کہ ہمیں احساس ہی نہیں ہوتا کہ یہ ہم نے کیا کر دیا ہے؟ اور جب پانی سر سے گذر جاتا ہے تو پھر سوائے پچھتاوے کے کچھ ہاتھ نہیں آتا۔ سانپ گذر جائے تو لکیر پیٹنے کا کوئی فائدہ نہیں۔ اس لیے کہا جاتا ہے کہ پہلے تولو پھر بولو۔ اسی طرح لکھتے ہوئے بھی ایک ایک لفظ سوچ سمجھ کر لکھنا چاہیے، تقریر سے زیادہ تحریر اثر انداز ہوتی ہے۔ اگر ہمارے اندر یہ احساس پیدا ہو جائے کہ ہم نے بولے جانے والے ایک ایک کلمہ اور لکھے جانے والے ایک ایک لفظ کا اللہ رب العزت کے سامنے جواب دینا ہے تو ہماری زبان اور قلم بہت ہی محتاط ہو جائیں۔

ہمیں اندازہ ہی نہیں کہ ہماری منفی تحریروں کے نقصانات کتنے زہریلے مرتب ہوتے ہیں۔ ہمارا مخالف اور مخاطب تو جو اثر لے وہ تو ہے ہی مگر اس طرف ہمارا دھیان نہیں جاتا کہ دین دشمن افراد اور جماعتوں کے پاس ہمارا تمام ریکارڈ محفوظ ہو رہا ہے اور وقت آنے پر وہ ہماری نسلوں کو ہم ہی سے نہیں بلکہ دین اسلام سے بدظن اور برگشتہ کرنے کے لیے استعمال کریں گے، جیسا کہ ''تاریخ احمدیت'' لکھ کر قادیانیوں نے کیا ہے اور منکرینِ حدیث اپنی کتابوں میں کر رہے ہیں۔ صرف مذہب کا سرطان۔ (مرتب: کوثر جمال)، تاریک اجالے، حقیقی علماء اور جعلی علماء۔ احتساب یا

---

*ادارہ المناد، راول پنڈی

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

انقلاب، حقیقی عبادت جعلی عبادت۔ (مرتب: مشتاق احمد) اور پسِ نوشت (ڈاکٹر پرویز پروازی) کا دیکھنا ہی اس حوالہ سے ہماری آنکھیں کھولنے اور غفلت کی چادر اتارنے کے لیے کافی ہوگا۔

پورے ملک میں چندگنی چنی شخصیات کے استثناء کے بعد ہمارے ہاں کون ہے جو اس نہج پر سوچ کر بولے اور لکھے؟ ہم پہلے جذبات کی رَو میں بہہ کر ایسی باتیں اور فتوے تحریر کر جاتے ہیں اور بعد میں ان کی وضاحتیں پیش پیش کرتے کرتے عمر بیت جاتی ہے۔ آغاز ایک تحریر سے ہوتا ہے اور اختتام ایک کتاب پر جا کے ہوتا ہے۔ کئی ایسی مثالیں موجود ہیں کہ فتویٰ پہلے دے دیا جاتا ہے اور فریق ثانی سے متعلق دلائل وشوائد بعد میں اکٹھے کئے جاتے ہیں۔

کراچی کی ایک بہت بڑی علمی شخصیت نے ایک تنظیم کے خلاف فتویٰ تحریر فرمانے کے بعد مردان کے ایک عقیدت مند کو تحریر کیا کہ فتویٰ تو میں نے دے دیا ہے مگر ان سے متعلق بنیادی معلومات بھی مجھے نہیں ہیں۔ آپ براہ مہربانی ان سے متعلق بنیادی معلومات مجھے فراہم کریں...... ہمارے ایک انتہائی قابل احترام ''کالم نگار'' دوست نے ایک دفعہ حضرت مولانا زاہد الراشدی مدظلہ العالی سے استفسار کیا تھا کہ حضرت! ہم جب لکھتے ہیں تو بار بار کانٹ چھانٹ کرنی پڑتی ہے، تین چار دفعہ کی ریاضت کے بعد کہیں جا کے ''کالم'' مکمل ہوتا ہے جب کہ آپ کو بارہا دیکھا کہ آپ لکھنے بیٹھتے ہیں اور ایک ہی نشست میں اپنا ''کالم'' مکمل کر لیتے ہیں اور اس میں کہیں کانٹ چھانٹ بھی نہیں کرتے، تو اس کی وجہ کیا ہے؟ مولانا زاہد الراشدی صاحب نے مسکراتے ہوئے فرمایا بھائی! آپ لکھنے کے بعد سوچتے ہیں اور میں لکھنے سے پہلے سوچتا ہوں۔ دوسری طرف وہ ہیں کہ ''کالم'' ہی نہیں ''فتویٰ'' ارشاد فرمانے کے بعد سوچتے ہیں بلکہ بعض تو فتویٰ جاری کرنے کے بعد بھی نہیں سوچتے......! اناللّٰہ و انا الیہ راجعون.

پھر نوبت یہاں تک جا پہنچتی ہے کہ فریقین میں تبادلہ دلائل کا نہیں الزامات واعتراضات کا ہوتا ہے۔ اور یہ الزامات واعتراضات بھی علمی نہیں ذاتی نوعیت کے ہوتے ہیں اور ہم اُسے تحریر کا حسن سمجھتے رہتے ہیں کہ جتنا کسی کی ذات پر کیچڑ اچھالیں گے اتنا ہی تحریر میں زور پڑے گا اور ادب کی چاشنی بڑھے گی ہمیں یہ احساس سرے سے نہیں ہوتا کہ ایسا کر کے ہم کسے خوش کر رہے ہیں اور ہماری ان تحریروں سے کل فائدہ کون اٹھائے گا؟

ابھی تک ہماری ماضی کی تحریروں سے ہی گلوخلاصی نہیں ہوئی، پہلے ہی اعتراضات وجوابات کا سلسلہ تھمنے نہیں پایا کہ اب مزید نئے نئے مسائل نے جنم لینا شروع کر دیا ہے اور اس کی سب سے بڑی وجہ فریقین میں عدم برداشت اور عدم حوصلہ ہے۔ ہر فرد، ہر ادارہ، ہر جماعت یہی سمجھتی ہے کہ جو ہماری رائے ہے وہی ''اقرب الی الحق'' ہے اور اب تو بات اقرب سے ہٹ کر ''عین الحق'' تک پہنچ گئی ہے کہ جو میں کہتا ہوں، جو میرا نظریہ ہے، جو میری سوچ ہے، جو میں لکھتا ہوں، وہی حق ہے، صحیح یہ ہے اور اس کے علاوہ جو کچھ ہے وہ باطل، لغو اور غلط ہے۔ انا و لا غیری ہی آج ہمارا نعرہ ہے۔ اسی سوچ اور نظریے نے آج ہمیں جس مقام پر لا کھڑا کیا ہے وہ سب کے سامنے ہے۔ ایسے معاملات میں شیطان اور اس کے چیلے ہمارے سامنے ایسے ایسے دلائل لا کر رکھ دیتے ہیں کہ پھر ہم رکنے اور ٹھہرنے کا نام تک نہیں لیتے اور ایک دوسرے پر ایسے تابڑتوڑ حملے کرتے ہیں کہ الامان والحفیظ۔

خدارا ہمارے اکابر ومعاصر اپنے اس عمل پر نظر ثانی فرمائیں اور امت کے اس بکھرے شیرازے کو مزید انتشار

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

وافتراق کی دلدل میں نہ دھکیلیں۔ اکابر کے ساتھ ساتھ اصاغر کو بھی اس کا احساس کرنا چاہیے کہ:

موج ہے دریا میں بیرون دریا کچھ بھی نہیں

الخیر مع اکابر کم، البرکۃ مع اکابر کم اور البرکۃ مع اکابر کم اھل العلم کا سنہری اصول ہمارے سامنے رہنا چاہیے، اکابر اُمت سے جب ہم کٹیں گے تو پھر ایک آوارہ پتاّ ہی ہو کر رہ جائیں گے، ہوا جدھر چاہے گی ہمیں لے جائے گی اور چلو اُدھر کو جدِھر کی ہوا ہو، کا مصداق بن کر رہ جائیں گے۔ پتاّ شاخ کے ساتھ جُڑا ہی اچھا لگتا ہے۔ جو پتا شاخ سے ٹوٹ کر گر جائے وہ پھر پاؤں تلے ہی روندا جاتا ہے۔ یہ نعرہ، یہ سوچ، یہ فکر، یہ نظریہ اور یہ انداز قطعی مناسب نہیں ہے کہ ہم کہتے پھریں، اکابر کون ہوتے ہیں؟ ہم اکابر کو نہیں مانتے ......ہمیں اکابر کی راہ نہیں اپنانی ......اور بعض تو اپنی تقاریر میں یہاں تک کہہ دیتے ہیں کہ موجودہ اکابر کی سوچ اور نظریہ ہمارے جوتے کی نوک پر............! یہ تمام الفاظ، یہ نظریہ اور یہ سوچ ہمارے ''باغیانہ پن'' کی عکاسی کرتے ہیں۔

ہماری ذاتی حیثیت کچھ بھی نہیں ہے۔ ہماری تمام تر عزت، وقار، مرتبہ اور مقام اپنے اکابر ہی کا مرہون منت ہے، اکابر ہی سے وابستگی میں ہماری بقا کا راز مضمر ہے۔ اگر ہم اپنے اکابر سے بغاوت کریں گے اور ان سے کٹ کر زندگی گذاریں گے تو پھر:

ہماری داستاں تک بھی نہ ہوگی داستانوں میں

ہمارا مقصود یہ باور کرانا بھی نہیں ہے کہ اکابر ''معصوم'' ہیں۔ ان کی ہر بات کو آنکھیں بند کر کے تسلیم کر لیا جائے۔ جہاں ہمیں ان کی رائے اور مؤقف سے اختلاف ہو وہاں انتہائی متانت، شائستگی اور ادب واحترام کے دائرے میں رہتے ہوئے ان سے اختلاف رائے کیا جائے اور اس میں انداز جارحانہ اور گستاخانہ نہ ہو۔ جہاں کہیں کسی معاملہ میں اختلاف ہو تو آپس میں مل بیٹھ کر ان معاملات کو حل کر لینا چاہیے، رسائل وجرائد اور کانفرنسوں میں ان اختلافات کو نہیں اچھالنا چاہیے۔ اگر ہم یہ سمجھتے ہیں کہ اکابر کا مؤقف ہماری رائے کے موافق نہیں اور ہماری سوچ، فہم اور دانست کے مطابق صحیح نہیں ہے اور وہ بھی اپنے مؤقف کی غلطی کو ماننے کے لیے تیار نہیں تو پھر خاموشی سے ان سے علیٰحدگی اختیار کر لی جائے اور ان اختلافات کو مزید ہوا نہ دی جائے۔

ہمیں اپنی رائے منوانے پر اصرار نہیں کرنا چاہیے، ہم اس کے مکلّف قطعاً نہیں ہیں کہ ڈنڈے اور گولی کے زور پر اپنے مؤقف کو منوائیں، جو مانتا ہے مانے، نہیں مانتا نہ مانے۔ ہمارے ذمہ صرف اتنی بات ہے کہ اپنے اس مؤقف اور رائے کی وضاحت ان کے سامنے کر دیں اور بس......!

ایک دوسرے کی ذات پر کیچڑ اُچھالنے کے بجائے اگر اصلاح کا پہلو سامنے رکھا جائے تو امید ہے کہ اس کے اچھے نتائج مرتب ہوں گے اور ہم یہ بھی امید رکھتے ہیں کہ ہماری اس درخواست کو درخور اعتنا سمجھا جائے گا اور اس سے بے اعتنائی نہیں برتی جائے گی۔

(بشکریہ ماہنامہ ''الحامد'' لاہور)

© rasailojaraid.com